اصول فقہ کا تعارف و آغاز

ڈاکٹر حافظ عبداللہ*

قرآن کریم ہی وہ کتاب مبین ہے جس نے انسان کو گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں پہنچایا۔ اعتقادات، معاملات اور اخلاق کو مرضیِ الٰہی کے مطابق سنوارا۔ شخصی و اجتماعی زندگی کے بگاڑ کو ختم کر کے حیاتِ انسانی کو بناؤ اور اصلاح سے ہمکنار کیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الرٰ کتاب انزلناہ الیك لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم اِلی صراط العزیز الحمید﴾(۱)

ترجمہ: ''(یہ) ایک (پرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ (یعنی) ان کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف (خدا) کے راستے کی طرف۔''

نبی کریم ﷺ نے اسی کتاب کے ذریعہ صحابہ کرام کی زندگیوں کو منور فرمایا ان کے نفوس کو جاہلیت کی آلائشوں سے پاک کیا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے قرب اور رضا کے حصول کا راستہ دکھایا۔ انہیں امامت و قیادت کی صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا۔ ان پر دنیا و آخرت کی کامیابی کے راز آشکارا فرمائے۔

نبی کریم ﷺ نے نہ صرف قرآن حکیم کے الفاظ ان کو پڑھ کر سنائے بلکہ اس کے معانی بھی بتلائے اور مرادِ الٰہی کو واضح فرمایا۔ اس طرح تبیین کتاب کا فریضہ سرانجام دیا اور حکمتِ قرآنی سے صحابہ کرامؓ کے اذہان و قلوب کو جلا بخشی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین﴾ (۲)

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُنہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا جو اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتے اور اُن کو پاک کرتے اور انہیں (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔''

---

*اسسٹنٹ پروفیسر۔ شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

اس طرح سب سے پہلے مفسر قرآن اور مراد الٰہی کو واضح فرمانے والے خود نبی کریم ﷺ ہیں۔

صحابہ کرام جنہیں نبی کریم ﷺ سے براہ راست تلمذ کا شرف حاصل ہوا، کی نشو و نما اور تربیت چونکہ خالص عربی ماحول میں ہوئی، فصاحت و بلاغت کے قدرتی طور پر وہ ماہر تھے، ذوقِ لسانی سے وہ آشنا تھے، ان کی زندگی اور اس کے مسائل، ان کا ماحول اور اس کے کردار ہی آیاتِ الٰہی کا شانِ نزول تھا۔ اس لیے قرآن کریم کا سمجھنا ان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا۔ قرآن کے احکام کا علم اپنے فطری سلیقہ سے حاصل کرتے تھے اور اگر کبھی انہیں کوئی اشکال پیش آجاتا تو وہ اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش فرماتے۔ آپ ان کے اشکال کا ازالہ فرمادیتے۔

تابعین کرامؒ نے صحابہ کرامؓ سے اسی طرح قرآن کا علم حاصل کیا اور شرعی احکام کی تحصیل فرمائی تا آنکہ دوسری صدی ہجری میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ اہلِ عجم حلقہ بگوش اسلام کثرت سے ہونے لگے۔ غیر عربوں کا میل ملاپ عربوں سے بڑھنے لگا تو ان کے رسم ورواج، عادات وتقالید اور اسالیب والفاظ بھی اسلامی معاشرے میں داخل ہوئے۔ اس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ بہت سے نئے نئے مسائل جنم لینے لگے جن سے عربوں کو پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ پھر جونئی اقوام حلقہ بگوش اسلام ہوئیں وہ ایک طرف تو زمانہ نزولِ قرآن سے دور تھیں دوسری طرف وہ عربی زبان کے اسالیب اور فطری ملکہ سے عاری تھیں۔ اس لیے کتاب اللہ کا فہم حاصل کرنا اور اس سے صحابہ و تابعین کی طرح اپنے فطری سلیقہ سے احکام سمجھنا ان کے لیے مشکل امر تھا۔

ان حالات میں قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیر وتشریح اور ان سے استنباط واستخراج کے قواعد وضوابط مرتب و مدون کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ الٰہی تعلیمات کی تعبیر وتشریح میں گمراہی اور کجی سے بچا جاسکے اور ان کے ذریعے قرآن و سنت میں بیان کردہ کلیات سے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی معلوم کیا جاسکے قواعد وضوابط کے اس مجموعے اور ان کے توابع کو علم اصول فقہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اصل کے لغوی معنی:

''اصول''، ''اصل'' کی جمع ہے۔ لفظ ''اصل'' کے دو قسم کے معنی ہیں۔ لغوی اور اصطلاحی۔ لغت میں لفظ ''اصل'' درج ذیل معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ اسفل الشئی شے کا نچلا حصہ (۳)

۲۔ مایبتنی علیه غیره و یتفرع علیه۔ جس پر کسی دوسری شے کی بنا ہو اور اس کی اس پر تفریع ہو۔ (۴)

ابتناء حسی اور عقلی دونوں کو شامل ہے۔ صدر الشریعہ ابتناء کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالابتناء شامل لابتناء الحسی و هو ظاهر و الابتناء العقلی و هو ترتب الحکم علی دلیله۔

''پھر ابتناء کی دو قسمیں ہیں حسی اور عقلی۔ ابتناء حسی تو ظاہر ہے اور ابتناء عقلی یہ ہے کہ حکم اپنی دلیل پر مرتب ہو۔(۵)

۳۔ **المحتاج الیه**۔ جس کی طرف شئی آخر محتاج ہو۔(۶)

۴۔ **مایستند تحقق الشئ الیه**۔ جس کی طرف کسی دوسری شے کا تحقق منسوب ہو۔(۷)

۵۔ **مامنه الشئ**۔ جس سے کوئی دوسری شے موجود ہو۔

۶۔ **منشاء الشئی**۔ کسی شے کے پیدا ہونے کی جگہ۔(۸)

اصل کے اصطلاحی معنی:

لفظ ''اصل'' کے اصطلاحی معنی درج ذیل بیان کیے جاتے ہیں، ان کو معنی منقول اور عرفی بھی کہتے ہیں۔

۱۔ راجح: جیسے کہا جاتا ہے ''**الاصل فی الکلام الحقیقة**'' یعنی سامع کے نزدیک راجح حقیقت ہے نہ کہ مجاز۔

۲۔ قاعدہ: جیسے کہا جاتا ہے " **اباحة المیتة للمضطر علی خلاف الاصل**" یعنی مضطر کے لیے مردار کا مباح ہونا قاعدہ کے خلاف ہے۔

۳۔ الدلیل: جیسے کہا جاتا ہے ''**اصل هذه المسئلة الکتاب وا لسنة**'' یعنی اس مسئلہ کی دلیل کتاب و سنت ہے۔

۴۔ **الصورة المقیس علیها**۔ ایسی صورت جس پر قیاس کیا جائے۔ جیسے کہا جاتا ہے منشیات کی حرمت کی اصل خمر ہے۔ یعنی خمر مقیس علیہ ہے۔

۵۔ استصحاب: حالت موجودہ کو حالتِ سابقہ پر قیاس کرتے ہوئے سابقہ حالت کا حکم بحال رکھنا۔ یعنی کسی چیز پر فی الحال طاری ہونے والی حالت سے پہلے اس حالت پر رکھنے کو کہتے ہیں جس پر وہ شروع میں تھی جیسے کہا جاتا ہے۔ ''**طهارة الماء اصل**''(۹)

مذکورہ اصطلاحی معنی میں سے علماء اصول نے معنی ''دلیل'' کو ترجیح دی ہے۔ اور اصول الفقہ سے مراد دلائل الفقہ بتائی ہے۔ امام ابو اسحاق شیرازی فرماتے ہیں۔

واما اصول الفقه هی الادلة التی یبنی علیها الفقه ۔(۱۰)

علامہ محبّ اللہ بہاری لفظ ''اصل'' کے متعدد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اذا اضيف الى العلم فالمراد دليله فمن حمل على القاعدة غفل عن هذا الاصل على ان قواعد العلم مسائله لامباديه(١١)

جب اس کی اضافت علم کی طرف کی جاتی ہے تو پھر اس سے مراد دلیل ہی لی جاتی ہے۔ (اصول فقہ چونکہ علم ہے اس لیے صرف ادلہ ہی مراد لیے جائیں گے) جس نے اصول کو قاعدہ پر حمل کیا ہے تو یہ ناواقفیت پر مبنی ہے۔ چونکہ قواعد کسی علم کے مسائل ہوتے ہیں نہ کہ مبادی۔ (حالانکہ اصول، علم فقہ کے مبادی ہیں نہ کہ مسائل)

علامہ تفتازانی کی رائے ہے کہ ''اصل'' کے معنی اصطلاحی یا منقول لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہاں معنی لغوی یعنی ''مايبنى عليه غيره'' مراد ہے۔ اس لیے کہ ابتناء حسی اور عقلی دونوں کو شامل ہے اور یہاں چونکہ اصل کی اضافت فقہ کی طرف ہے اور فقہ ایک معنوی چیز ہے۔ اس لیے قرینہ کی وجہ سے یہاں ابتناء عقلی مراد ہے۔ لہٰذا اصول فقہ کا معنی ہوگا وہ اشیاء جن پر فقہ کی بنا ہے اور مبتنی علیہ دلیل کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوگا۔ اس لیے اصول الفقہ سے مراد ادلۃ الفقہ ہی ہوں گے۔ اس لیے کہ جب لغوی معنی لینے سے ہی مقصود متعین ہو جاتا ہے تو منقول یا اصطلاحی معنی لینے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

علامہ تفتازانی تحریر فرماتے ہیں۔

فذهب بعضهم الى ان المراد به ههنا الدليل ـ و أشار المصنف الى ان النقل خلاف الأصل ولا ضرورة في العدول اليه ـ لأن الابتناء كما يشمل الحسى كا بتناء السقف على الجدران و ابتناء أعالي الجدران على أساسه و اغصان الشجر على دوحته، كذلك يشمل الابتناء العقلى كا بتناء الحكم على دليله ـ (١٢)

حاصل یہ ہے کہ لفظ ''اصل'' کے معنی لغوی ''مايتبنى عليه غيره'' لیے جائیں اور مراد ابتناء عقلی ہو یعنی ترتب الحكم على دليله یا معنی اصطلاحی ''دلیل'' لیے جائیں۔ نتیجہ اور مآل ایک ہے، یعنی اصول الفقہ سے ادلۃ الفقہ مراد ہے۔

فقہ کے لغوی معنی:

لغت میں فقہ کے معنی العلم بالشئی و الفهم له یعنی کسی شے کے جاننے اور سمجھنے کے ہیں۔ (۱۳)

امام راغب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:

الفقه : هو التوصل الى علم غائب بعلم شاهد فهو اخص من العلم ـ (١٤)

''فقہ کے معنی علم حاضر سے علم غائب تک پہنچنے کے ہیں۔ اور یہ علم سے اخص ہے۔''

امام غزالی فقہ کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"والفقه عبارة عن العلم و الفهم فی اصل الوضع يقال فلان يفقه الخير و الشر اي يعلمه و يفهمه۔"(١٥)

''فقہ اپنی اصل وضع کے اعتبار سے علم وفہم سے عبارت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلان يفقه الخير و الشر یعنی وہ خیر وشر کو جانتا اور سمجھتا ہے۔''

امام رازی لغوی معنی "فهم غرض المتكلم من كلامه" "یعنی متکلم کے کلام سے اس کی غرض سمجھنا ہے" تحریر فرماتے ہیں۔(١٦)

امام اسنوی شرح اللمعة کے حوالے سے لغوی معنی بیان کرتے ہیں۔

"هو فهم الا شياء الدقيقة فلا يقال فهمت ان السماء فوقنا۔"(١٧)

''یعنی اشیاء دقیقہ کے فہم کو فقہ کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ میں نے جان لیا کہ آسمان ہمارے اوپر ہے۔''

اس لیے کہ یہ کوئی دقیق بات نہیں جس کے لیے فقہ کا لفظ استعمال کیا جائے۔

قرآن مجید میں بھی اس لفظ کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی مطلق جاننا نہیں ہے بلکہ گہری بصیرت اور باریک بینی سے جاننا اور متکلم کی مراد اور غرض کو سمجھ لینا ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان قرآن کریم سے استشہاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولكن استعماله فی القرآن الكريم يرشد الی أن المراد منه ليس مطلق العلم ، بل دقة الفهم، و لطف الادراك و معرفة غرض المتكلم و منه قوله تعالىٰ " قالوا يا شعيب مانفقه كثيرا مما تقول " و قوله تعالىٰ "فما لهٰولاء القوم لا يكا دو ن يفقهو ن حديثا۔"(١٨)

''اس لفظ کے قرآن مجید میں استعمال سے معلوم ہوتا ہے اس سے مراد مطلق جاننا نہیں بلکہ انتہائی گہرائی اور باریک بینی سے سمجھنا ہے۔ اور متکلم کی غرض جان لینا ہے۔ قرآن مجید میں ان آیات سے اس معنی پر روشنی پڑتی ہے۔''

لفظ ''فقہ'' باب سَمِعَ ، فَتَحَ اور کَرُمَ تینوں ابوب سے آتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی، علامہ رملی کے حوالے سے ردمختار میں فرماتے ہیں۔

يقال فقه بكسر القاف اذفهم و بفتحها اذا سبق غيره الی الفهم و بضمها اذا صار الفقه له سجية (١٩)

ترجمہ: ''فقہ (کا لفظ) جب قاف کی زیر کے ساتھ بولا جاتا ہے تو (اس کا مطلب) فہم ہے۔ اور (ف پر) زبر ہو تو فہم میں کسی دوسرے سبقت لے جانا (مراد) ہے۔ جب پیش کے ساتھ ہو (تو مراد ہے) جب فقہ اس کی (یعنی فقیہ کی) طبیعت (اور اس کا حال) بن جائے۔''

فقہ کی اصطلاحی تعریف:

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر تابعین کے زمانہ تک دین کی تمام تعلیمات و احکام کے جاننے اور ان میں گہری بصیرت و مہارت کو فقہ کہا جاتا تھا خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا اخلاق سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، قرآن و حدیث میں اسی معنی میں اس لفظ کا ذکر کیا گیا ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وماكان المؤمنون لينفروا كافة فلو لا نفرمن كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين﴾(٢٠)

''اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں۔ تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تا کہ دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

"من يرد الله به خيرا يفقه في الدين ـ"(٢١)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

يفقهه...... اي يجعله عالما (في الدين) اي احكام الشريعة و الطريقة و الحقيقة ولا يختص بالفقه المصطلح المختص بالاحكام الشرعية العملية كما ظن ـ(٢٢)

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں)''اسے شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم عطا فرماتے ہیں، یہ اصطلاحی فقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے جو صرف احکامِ شرعیہ عملیہ سے مخصوص ہے جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔''

امام دارمی اپنی سنن میں حضرت حسن بصریؒ کا قول فقہ سے متعلق اسی وسیع معنی میں نقل فرماتے ہیں۔ کسی نے حضرت حسن بصری سے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہا آپ کے خلاف کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ **ويحك و رايت، أنت فقيها قط انما الفقيه الزاهد في الدنيا، الراغب في الآخرة البصير بأمر دينه المداوم على عبادة ربه**(٢٣)

امام ابوحنیفہ نے مفہوم کی اسی وسعت کے لحاظ سے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

الفقه هو معرفة النفس مالها و ما عليها(٢٤)

''فقہ نفس کے لیے (آخرت کے لحاظ سے) مفید اور مضر دونوں قسم کی چیزوں کے جاننے کو کہتے ہیں۔''

اس تعریف میں دین کے تمام افعال کو فقہ کے دائرے میں شامل کیا گیا ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ نے عقائد پر جو کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس کا نام ''الفقہ الاکبر'' ہے۔

فتوحات کی کثرت، تمدن کی ترقی اور نئی اقوام کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے جہاں نت نئے مسائل اور حوادث

سامنے آئے وہاں علوم کی تدوین و ترتیب کا آغاز ہوا اور علوم نے باقاعدہ صناعت کی صورت اختیار کرلی۔ اس مرحلہ میں عقائد کی توضیح وتشریح اور اصلاح باطن و اخلاقی تربیت نے مستقل فنون کی حیثیت حاصل کرلی۔

چنانچہ عقائد سے متعلق احکام ومسائل کو''علم کلام'' اور اخلاق و اصلاح باطن سے متعلق مباحث کو''علم تصوف'' کا نام دیا گیا۔ اور ان فنون کے ماہرین کو''متکلمین'' اور''صوفیا'' کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ اب فقہ کا دائرہ نسبتاً محدود ہوگیا ہے اور اس میں صرف عملی احکام باقی رہ گئے ہیں۔ اس وجہ سے متاخرین نے مستقل علم وفن کی حیثیت سے فقہ کی تعریف ازسرنو ان الفاظ میں کی:

"العلم بالاحکام الشرعیه العملیه من ادلتها التفصیله"(٢٥)

''فقہ عملی شرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے جاننے کا نام ہے۔''

اس تعریف میں احکام کے ساتھ شرعی کی قید لگانے سے عقلی، حسی، تجربی اور وضعی احکام خارج ہوگئے اور عملی کی قید سے عقائد واخلاق سے متعلق احکام ومسائل جو علم کلام وعلم تصوف کا موضوع ہیں خارج ہوگئے۔

احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے جاننے کی قید سے اصول فقہ اور فقہ میں امتیاز ہوجاتا ہے۔ تفصیلی دلائل ہی جزئی دلائل ہوتے ہیں، جن میں سے ہر دلیل کا تعلق کسی خاص مسئلہ سے ہوتا ہے اور دلیل اس خاص مسئلہ سے متعلق جو حکم ہے اس کو بتلاتی ہے۔ جبکہ اصول فقہ میں اجمالی اور اصولی دلائل پر بحث ہوتی ہے۔

اصولِ فقہ کی اصطلاحی تعریف:

علماء اصول نے اصول فقہ کی حدِ اضافی کے ساتھ ساتھ حدِ لقبی یا اصطلاحی تعریف بھی کی ہے۔ اصطلاحی یا فنی تعریفیں اگرچہ بہت سی کی گئی ہیں لیکن ان میں کوئی بنیادی یا جوہری فرق نہیں ہے۔ الفاظ کے اختلاف کے باوجود مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

ابن حاجب مالکی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نسفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں تعریف فرماتے ہیں:

فالعلم بالقواعد التی یتوصل بها الی استنباط الاحکام الشرعیة الفرعیة عن ادلتها التفصیلیة۔(٢٦)

''اصول فقہ ان قواعد کا علم ہے جن کی مدد سے شرعی فروعی احکام کا ان کے تفصیلی دلائل سے استنباط کیا جاتا ہے۔''

قاضی بیضاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اصول الفقه معرفة دلائل الفقه اجمالا و کیفیة الاستفادة منها و حال المستفید۔(٢٧)

''اصول فقہ: فقہ کے اجمالی دلائل سے استفادہ کی کیفیت اور مستفید (مجتہد) کے حال کی معرفت کا نام ہے۔''

ابنِ ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ اختصار کے ساتھ فرماتے ہیں۔

ادراك القواعد التی یتوصل بها الی استنباط الفقه ۔(۲۸)

''اصول فقہ ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ فقہ کے استنباط تک رسائی ہو۔''

قدرِ مشترک سب تعریفوں میں یہ ہے کہ اصول فقہ ان اجمالی دلیلوں اور قواعد کا نام ہے جن کے ذریعہ سے فقہ کے عملی فروعی احکام کا استنباط کیا جا سکے۔

اجمالی دلائل سے مراد کتاب، سنت، اجماع اور قیاس ہے کیونکہ ان کا تعلق کسی خاص مسئلہ سے نہیں ہوتا جیسا کہ تفصیلی دلائل' فقہ کے جزئی مسائل سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس لیے اصولِ فقہ میں اجمالی دلائل سے بحث کی جاتی ہے جبکہ تفصیلی دلائل فقہ کا موضوع ہوتے ہیں۔

قواعد سے مراد وہ بنیادی اور اصولی ضوابط ہیں جنہیں مسائل کے استنباط کے وقت ایک مجتہد مدنظر رکھتا ہے اس لیے انہیں قواعد اصولیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہ ایک قاعدہ اصولیہ ہے الامر للوجوب۔ امر وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک قاعدہ اصولیہ ہے۔ النهی للتحریم نہی حرمت کے لیے ہے۔ ان جیسے دیگر اصولی قواعد ہی فقہ کے فروعی مسائل کے استنباط کی اساس اور بنیاد ہیں۔

فقہی قواعد اور اصولی قواعد میں فرق بیان کرتے ہوئے امام ابوزہرہ فرماتے ہیں:

و ان الفرق بینها و بین علم الاصول أن علم الاصول کما ذ کرنا یبین المنهاج الذی یلتزمه الفقیه ، فهو القانون الذی یلتزمه الفقیه لیعتصم به من الخطاء فی الاستنباط، أما القواعد الفقهیة فهی مجموعة من الاحکام المتشابهة التی ترجع الیٰ قیاس واحد یجمعها أو الی ضبط فقهی یربطها (۲۹)

''فقہی قواعد اور علم الاصول میں فرق یہ ہے کہ علم الاصول میں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، اس منہج اور طریقہ کار کو بیان کیا جاتا ہے جس کا فقیہ التزام کرتا ہے یعنی علم الاصول، وہ قانون ہے جس کی پابندی فقیہ اس لیے کرتا ہے کہ وہ مسائل کے استنباط میں غلطی سے محفوظ رہ سکے۔ فقہی قواعد ایسے ایک جیسے احکام کے مجموعہ کا نام ہے جو ایک قیاس کے تحت جمع ہو سکتے ہیں اور کسی ایک فقہی ضابطہ میں انہیں مربوط کیا جا سکتا ہے۔''

اصول فقہ کا موضوع اور مباحث:

علمِ اصول فقہ کا موضوع، علماء اصول نے دلائل اور احکام کو بتایا ہے، دلائل مثبِت ہیں جو احکام کو ثابت کرتے ہیں اور احکام مثبَت ہیں جن کو دلائل کے ذریعہ ثابت کیا جاتا ہے گویا لفظ ''اثبات'' جو مصدر ہے دلائل کی طرف فاعل کے معنی میں ہو

کر مضاف ہے اور احکام کی طرف مفعول کے معنی میں ہو کر مضاف ہے۔ اس طرح ''اثبات'' دونوں میں ملحوظ ہونے کی وجہ سے دلائل اور احکام دونوں بالذات متحد ہیں اگر چہ اعتباری فرق ہے۔

ملا جیون فرماتے ہیں:

"فموضوعه: علی المختار هو الأدلة و الأحکام جمیعا، الأول من حیث اِنه مثبِت، والثانی من حیث انه مثبَت۔" (۳۰)

احکام کے دلائل جن پر کتب اصول فقہ میں تفصیلی بحث کی جاتی ہے چار ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ ان ادلۂ اربعہ کو مصادرِ شریعت بھی کہتے ہیں اور ان چار کے مصدر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے سوائے ظاہریہ کے۔ ان میں کتاب اور سنت بنیادی اور اساسی مصادر ہیں جبکہ اجماع اور قیاس مصادرِ ثانویہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ادلہ یا مصادر سے بحث اس حیثیت سے کی جاتی ہے کہ وہ وجوہ یا طرق کون کون سے ہیں جن کے ذریعہ ان سے احکام کا استنباط واستخراج کیا جاتا ہے۔ وجوہ استدلال یا طرق استنباط ہی وہ قواعد ہیں جن کی مدد سے احکام کے تفصیلی دلائل سے احکام کو اخذ کیا جاتا ہے۔

ان قواعد کا معظم حصہ ان لغوی قواعد پر مشتمل ہے جن کا تعلق الفاظ اور معانی کی وضاحت اور موقع اور محل کی تعیین سے ہے۔ یعنی ان قواعد کی روشنی میں نصوص کے الفاظ و معانی اور موقع و محل پر نظر ڈالنے کے بعد، متعلقہ نصوص کے معنی ومفہوم کا تعین کر کے احکام کا استنباط و استخراج کیا جاتا ہے۔

کتبِ اصول میں دوسری اہم بحث سنت وحدیث سے متعلق ہے۔ کتاب اللہ کے بعد سنت وحدیث کا احکام کے لیے ماخذ ثانی ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور جہاں تک سنت وحدیث سے اخذ و استنباط کے قواعد کا تعلق ہے تو وہ وہی ہیں جن کا بیان کتاب اللہ کی بحث میں قواعد لغوی کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ جس طرح محدثین، حدیث کی صحت کی شرائط مقرر کرتے ہیں اسی طرح علماءِ اصول احادیث واخبار کی شرائط قبولیت پر بحث فرماتے ہیں۔ محدثین کی شرائطِ صحت میں اختلاف کی طرح علماء اصول کا بھی شرائط قبولیت میں باہمی اختلاف ہوسکتا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر کتب اصول کی بحث سنت میں کیا جاتا ہے۔

کتاب وسنت کی ابحاث کے بعد اجماع اور قیاس پر بحث کی جاتی ہے اور یہ دونوں بھی احکام کے مصادر و مآخذ ہیں اگر چہ ان کی حیثیت کتاب وسنت کے مقابلے میں ثانوی ہے۔ ثانوی کا مطلب یہ ہے کہ احکام ان سے ابتداء ثابت نہیں ہوتے جس طرح کہ کتاب وسنت سے ثابت ہوتے ہیں بلکہ کتاب وسنت میں مخفی احکام ہی کا اظہار اجماع اور قیاس کے ذریعہ کیا جاتا ہے گویا ان دونوں کی اصل کا کتاب وسنت میں پایا جانا ضروری ہے۔ کتبِ اصول میں ان کی حجیت، شرائط اور ان سے استدلال کی وجوہ اور طریق کا تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید، سنت، اجماع اور قیاس، ظاہریہ کے علاوہ سب کے نزدیک فقہ اسلامی کے مآخذ ہیں۔ ظاہریہ قیاس کی حجیت کے قائل نہیں۔ بعض کتب اصول میں دیگر مختلف فیہ مصادرِ شریعت جیسے استحسان، استصحاب، مصالح مرسلہ، عرف و

عادت، قولِ صحابی، شرائع ما قبل، عملِ اہلِ مدینہ کی حجیت وعدمِ حجیت پر بھی ابحاث ملتی ہیں۔

مصادر شریعت کے علاوہ بعض علماء اصول نے اپنی کتب میں حکمِ شرعی اور اس کی اقسام، مقاصدِ شریعہ، سدّ ذرائع اور تقلید و اجتہاد جیسے موضوعات پر بھی بحث کی ہے۔

علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تصنیف ''مقدمہ'' میں اصولِ فقہ کا تعارف، اس کا موضوع اور وسعت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اعلم ان اصول الفقه من أعظم العلوم الشرعية و أجلها قدرا و اكثرها فائدة ، وهو النظر فى الأدلة الشرعية من حيث توخذ منها الأحكام و التكاليف۔ و اصول الا دلة الشرعية هى الكتاب الذى هو القرآن، ثم السنة المبينة له۔ فعلى عهد النبى ﷺ كانت الأحكام تتلقى منه، بما يوحى اليه من القرآن و يبينه بقوله و فعله، بخطاب شفاهى لايحتاج الى نقل ولا الى نظر و قياس ، و من بعده صلوات اللّٰه و سلامه عليه تعذر الخطاب الشفاهى وانحفظ القرآن بالتواتر، وأما السنة فاجمع الصحابة رضوان اللّٰه تعالىٰ عليهم على وجوب العمل بما يصل الينا منها، قولا أوفعلا، بالنقل الصحيح الذى يغلب على الظن صدقه۔ و تعينت دلالة الشرع فى الكتاب والسنة بهذا الاعتبار، ثم تنزل الاجماع منزلتهما لا جماع الصحابة على النكير على مخالفيهم۔ ولا يكون ذالك اِلا عن مستند لان مثلهم لا يتفقون من غير دليل ثابت، مع شهادة الادلة بعصمة الجماعة، فصار الاجماع دليلا ثابتا فى الشرعيات۔

ثم نظرنا فى طرق استدلال الصحابه و السلف بالكتاب و السنة ، فاذا هم يقيسون الاشباه منها بالاشباه۔ و يناظرون الامثال بالامثال باجماع منهم، و تسليم بعضهم لبعض فى ذلك۔ فان كثيرا من الواقعات بعده صلوات اللّٰه و سلامه عليه ، لم تندرج فى النصوص الثابتة، فقاسوها بما ثبت، و الحقوها بما نص عليه، بشروط فى ذلك الالحاق، تصحح تلك المساواة بين الشبيهين أو المثلين۔ حتى يغلب على الظن أن حكم اللّٰه تعالىٰ فيهما واحد، و صار ذلك دليلا شرعيا باجماعهم عليه ، و هو القياس، وهو رابع الادلة۔

و اتفق جمهور العلماء على أن هذه هى اصول الادلة، و اِن خالف بعضهم فى الاجماع والقياس اِلا أنه شذوذ۔ وألحق بعضهم بهذه الادلة الاربعة أدلة اخرى لاحاجة بنا اِلى ذكرها، لضعف مداركها و شذوذ القول فيها۔"(۳۱)

''جان لیجئے کہ اصول فقہ علوم شرعیہ کے بلند مرتبہ اور جلیل القدر علوم میں سے ہے، جس کے بڑے فوائد ہیں، یہ ادلۂ شرعیہ میں اس حیثیت سے غور وفکر کا نام ہے کہ ان ادلہ سے احکام کا استنباط کیا

جاسکے۔ ادلۂ شرعیہ میں اصل الاصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں شرعی احکام کے حصول کا ذریعہ قرآن کریم جو آپ پر وحی کیا جاتا تھا اور اس کی براہ راست آپ کے قول و فعل سے فرمودہ تفسیر وتشریح، تھا۔ نقل وخبر اور نظر و قیاس کی حاجت نہیں تھی۔ نبی کریم ﷺ کے بعد براہ راست خطاب سے اکتساب ناممکن ہوگیا۔ البتہ قرآن کریم تواتر کے ساتھ محفوظ ہوگیا۔ جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہوگیا کہ جو قول یا یا فعل نبوی ہم تک اس طریقہ سے پہنچے کہ اس کے صدق کا ظن غالب ہوجائے، واجب العمل ہے۔ اور کتاب و سنت کی دلالۃ شرعیہ اس کے معتبر ہونے کو متعین کردے۔

پھر اجماع صحابہ ان دونوں (کتاب وسنت) کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ صحابہ نے بالاتفاق اجماع کی مخالفت کو قابل نکیر و ملامت قرار دیا ہے۔ یہ اس لیے کہ کسی حکم شرعی پر اجماع بلا سند نہیں ہوسکتا اور یہ ناممکن ہے کہ صحابہ جیسی جماعت کسی حکم شرعی پر بغیر کسی دلیل شرعی کے اتفاق کرے جبکہ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ پوری ''الجماعۃ'' کا متفقہ فیصلہ غلطی وخطا سے معصوم و مامون ہوتا ہے۔ اس طرح اجماع ادلۂ شرعیہ میں ایک دلیل قرار پایا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور بعد کے سلف صالحین کا کتاب وسنت سے طریقۂ استدلال یہ تھا کہ وہ اشباہ کو اشباہ پر اور نظائر کو نظائر پر قیاس کرتے تھے، یہ ان کے اجماع سے بھی ہوتا تھا اور وہ ایک دوسرے کی انفرادی رائے کو بھی مانتے تھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بہت سے معاملات و مسائل ایسے وقوع پذیر ہوئے جن کے بارے میں کتاب وسنت کی نصوص میں ذکر نہیں پایا جاتا تھا۔ اس لیے انہوں نے پیش آمدہ مسائل و معاملات کو ان جیسے مسائل پر قیاس کیا جس کا حکم نصوص سے ثابت شدہ تھا۔ اور ثابت شدہ مسائل سے ان کو ملحق کیا۔ اس الحاق میں انہوں نے ایسی شرائط مقرر کیں جن سے باہم مشابہت یا مماثلت رکھنے والے واقعات کے درمیان صحیح مساوات قائم ہوکر یہ ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے کہ دونوں کے بارے میں حکم الٰہی ایک ہی ہے۔ اس طرح یہ قیاس صحابہ کے اجماع سے ادلۂ شرعیہ میں چوتھی دلیل قرار پایا۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس ادلۂ شرعیہ میں سے ہے، اگر بعض نے اجماع اور قیاس کے ادلۂ شرعیہ ہونے میں اختلاف کیا ہے اور بعض نے ان ادلۂ میں کچھ اضافہ کیا ہے مگر یہ دونوں مذاہب چونکہ شاذ ہیں اس لیے ہم ان کے ذکر کی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔''

حاجی خلیفہ ''کشف الظنون'' میں اصول فقہ کا تعارف اور اس کا موضوع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وهو علم يتعرف منه استنباط الأحكام الشرعية الفرعية عن ادلتها الاجمالية و موضوعه الادلة الشرعية الكلية من حيث انها كيف يستنبط عنها الاحكام الشرعية و مباديه

مأخوذة من العربية و بعض من العلوم الشرعية كاصول الكلام و التفسير وا لحديث و بعض من العقلية و الغرض منه تحصيل ملكة استنباط الاحكام الشرعية الفرعية من ادلتها الاربعة اعنى الكتاب والسنة و الاجماع و القياس و فائدته استنباط تلك الاحكام على وجه الصحة و اعلم ان الحوادث و ان كانت متناهية فى نفسها بانقضاء دارالتكليف الا انها لكثرتها و عدم انقطاعها مادامت الدنيا عيرداخلة تحت حصر الحاصرين فلا يعلم احكامها جزئيا ولما كان لكل عمل من اعمال الانسان حكما(حكم) من قبل الشارع منوطا (منوط) بدليل يخصه جعلوها قضايا۔ موضوعاتها افعال المكلفين و محمولاتها احكام الشارع من الوجوب و اخواته فسموا العلم المتعلق بها الحاصل من تلك الادلة فقها ثم نظروا فى تفاصيل الادلة والاحكام و عمومها فوجدوا الادلة راجعة الى الكتاب والسنة والاجماع والقياس ووجدوا الاحكام راجعة الى الوجوب والندب وا لحرمة والكراهة والا باحة و تأملوا فى كيفية الاستدلال بتلك الادلة على تلك الاحكام اجمالا من غير نظر الى تفاصيلها الا على طريق التمثيل فحصل لهم قضايا كلية متعلقة بكيفية الاستدلال بتلك الادلة على الاحكام اجمالا و بيان طرقه و شرائطه ليتوصل بكل من تلك القضايا الى استنباط كثير من تلك الاحكام الجزئية عن ادلتها التفصيلية فضبطوها و دونوها واضافوا اليها من اللواحق وسموا العلم المتعلق بها اصول الفقه۔"(۳۲)

''علم اصول فقہ وہ علم ہے جس سے شرعی فروعی احکام کو ان کے اجمالی دلائل سے استنباط کیا جاتا ہے اوراس علم کا موضوع ادلۂ شرعیہ کلیہ (ادلۂ اجمالیہ) ہیں اس حیثیت سے کہ کس طرح ان سے احکام کا استنباط کیا جاتا ہے اور اس علم کے مبادی، علوم عربیہ، بعض علوم شرعیہ جیسے علم الکلام، علم التفسیر اور علم الحدیث اور بعض علوم عقلیہ سے ماخوذ ہیں اور اس کی غرض اجمالی دلائل یعنی کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے شرعی فروعی احکام کے استنباط کی صلاحیت کا حصول ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ استنباط احکام صحت کے ساتھ ہو۔

اور جان لیجیے کہ اگرچہ واقعات اور نئے نئے مسائل کا پیدا ہونا فی نفسہ متناہی ہے کیونکہ دنیا متناہی ہے اور یہ سارا دنیا کے اختتام تک ہی ہے، لیکن ان کی کثرت اتنی ہے اور دنیا کے وجود تک ان کا تسلسل اور عدم انقطاع ایسا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اس لیے کوئی بھی مستقبل میں رونما ہونے والے ہر ہر مسئلہ کا جزوی حکم پہلے سے معلوم نہیں کرسکتا اور دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کا ہر عمل شرعی حکم کے تابع ہونا چاہیے اور اس کا جو بھی حکم ہو گا کسی نہ کسی دلیل سے بندھا ہوا ہوگا ان مسائل سے کچھ کلیات بنا دیے گئے ہیں جن کے موضوعات مکلفین کے افعال ہیں اور محمولات شارع

کے احکام ازقسم وجوب وغیرہ ہیں اور وہ علم جو شرعی دلائل سے حاصل شدہ ان احکام سے متعلق ہے ''فقہ '' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ پھر علماء نے دلائل واحکام اور ان کے عموم کی تفصیلات میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ دلائل تو کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی طرف راجع ہوتے ہیں اور احکام، واجب، مندوب، حرام، مکروہ اور مباح کی طرف۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ان احکام کے ان دلائل سے استدلال کی کیفیت پر بغیر تفصیلات میں گئے ہوئے اجمالی نظر ڈالی سوائے بطور مثال دیکھنے کی ضرورت ہو۔ پس ان کے سامنے چند ایسے کلی قواعد آئے جو احکام کے ان دلائل کی اجمالی کیفیت استدلال سے متعلق تھے اور جن کا تعلق استدلال کے ان طریقوں کے بیان اور شرائط سے تھا جس سے کام لے کر ان قواعد کے ذریعہ احکام کے تفصیلی دلائل سے جزوی احکام و مسائل کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے ان تمام قواعد اور ان کے طرق وشرائط کو مرتب و مدون کیا اور کچھ مزید امور کا ضافہ کیا اور اس علم کا جو ان قواعد وضوابط ان کے طرق وشرائط وغیرہ سے متعلق ہے ''اصول فقہ'' نام رکھا۔

علم اصول فقہ کی ابتداء:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح رسول اللہ ﷺ پر اپنی آخری کتاب نازل فرمائی اور وحی ونبوت کے منصب جلیل پر فائز فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے معلم و مربی، شارح ومفسر، قاضی وحاکم اور راہنما وشارع کے مناصب بھی آپ کو تفویض فرمائے گئے تھے۔

قرآن کریم میں چار مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے من جانب اللہ معلم ومربی ہونے کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ربنا و ابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتك ویعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم انك انت العزیز الحکیم﴾(۳۳)

''اے پروردگاران (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجئے جو اُن کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے، بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے۔''

''سورہ بقرہ'' ہی میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم أیتنا ویزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمة و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون﴾ (۳۴)

''جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری

آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔"

اسی طرح سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین﴾(۳۵)

"خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔"

سورۂ جمعہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین﴾(۳٦)

"وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں اُنہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا، جو اُن کے سامنے اُسکی آیتیں پڑھتے اور اُن کو پاک کرتے اور انہیں (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔"

آیات میں بار بار جس بات کو بتاکید بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو نہ صرف قرآن کریم کی آیات سنا دینے کے لیے بھیجا ہے بلکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد کتاب وحکمت کی تعلیم اور افراد انسانی کے نفوس کے تزکیہ کا فریضہ بھی کیا ہے۔ اس طرح گویا آپ من جانب اللہ معلم و مربی تھے۔ لہٰذا آپ کی موجودگی میں قرآن کریم کے مطالب و معانی میں اگر کسی کو کوئی اشکال لاحق ہوتا تو آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور آپ اس کا ازالہ فرما دیتے۔

اس طرح آپ من جانب اللہ قرآن کریم کے مفسر اور شارح بھی تھے، قرآن کریم کی تبیین وتفسیر کا فریضہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے سپرد کیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم﴾(۳۷)

"اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو۔"

یہ آیت اس بات پر قطعی الدلالہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام وہدایات قرآن میں دی ہیں، آپ ان کی تشریح وتوضیح فرمائیں۔

قرآن کریم نے اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاضی اور حاکم بھی تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿انا انزلنا الیك الكتاب بالحق لتحكم بین الناس بما اراك اللّٰه﴾(۳۸)

''(اے پیغمبرؐ) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فلا و ربك لایؤمنون حتی یحكموك فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما﴾(۳۹)

''تمہارے پروردگار کی قسم، یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔''

سورۃ النساء ہی میں ارشاد ہے:

﴿وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰه﴾(۴۰)

''ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے، اس لیے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔''

اسی سورہ میں پھر فرمایا:

﴿من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰه﴾(۴۱)

''جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اور سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿و ما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللّٰه و رسوله امرا ان یكون لهم الخیرة من امرهم و من یعص اللّٰه و رسوله فقد ضل ضلالا مبینا﴾(۴۲)

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہوگیا۔''

یہ اور اس مضمون کی متعدد آیات اس امر میں صریح ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا کسی قضیہ اور نزاع میں فیصلہ اور آپ کا کوئی حکم، عام قضاۃ اور حکام کی طرح نہیں ہے کہ جس کے ماننے یا نہ ماننے سے ایمان میں فرق نہ آتا ہو، یا ظاہراً تسلیم کرلیا جائے اور دل میں کجی بھی ہو تو کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، بلکہ آپ کے فیصلے اور حکم کو اس طرح ماننا ضروری ہے کہ دل میں بھی کجی اور تنگی محسوس نہ ہو کیونکہ آپ کا فیصلہ اور حکم من جانب اللہ ہوتا ہے اور آپ کو اللہ جل شانہ ہی کی طرف سے قاضی اور حاکم مقرر فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو تشریعی اختیارات بھی عطا فرمائے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر و یحل لھم الطیبٰت و یحرم علیھم الخبٰئث﴾ (۴۳)

''وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھیراتے ہیں۔''

یہ آیت اس امر میں صریح ہے کہ حلال وحرام اور امر و نہی صرف وہی نہیں ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں بلکہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے حلال یا حرام قرار دیا ہے اور جس چیز کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے یا جس سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے وہ بھی اللہ کے دیے ہوئے اختیارات سے ہے، اس لیے وہ بھی شریعت خداوندی کا حصہ ہے۔ سورۂ حشر میں یہی بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وما اتکم الرسول فخذوہ و مانھکم عنہ فانتھوا﴾ (۴۴)

''سو جو چیز تم کو پیغمبرؐ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اُس سے) باز رہو۔''

ان سب کے ساتھ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی، آپ کے اسوہ حسنہ کو نمونہ تقلید قرار دیا ہے اور آپ کی اتباع اور پیروی کو لازم قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لایحب الکفرین﴾ (۴۵)

''(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔''

سورۂ احزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾ (۴۶)

''تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے۔''

یہ دونوں آیات اس بات میں صریح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ من جانب اللہ تمام مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں اور آپ کی تقلید اور اتباع ہر مسلمان پر لازم ہے اور اس سے انحراف، گمراہی اور زیغ ہے۔ نبی کریم ﷺ کو نبوت و رسالت کے ساتھ یہ تمام مناصب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کیے گئے تھے۔

علامہ شہاب الدین قرافی فرماتے ہیں:

"اعلم ان رسول اللہ ﷺ ھو الامام الاعظم والقاضی الاحکم و المفتی الا علم فھو ﷺ امام الائمۃ وقاضی القضاۃ و عالم العلماء فجمیع المناصب الدینیۃ فوضھا اللہ تعالیٰ الیہ

فی رسالته و هو اعظم من کل من تولی منصبا منها فی ذلك المنصب الی یوم القیامة فما من منصب دینی الا وھو متصف به فی أعلی رتبة۔ "(٤٧)

رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت معلم ومربی، قاضی وحاکم، مفسر ومبین کتاب، شارع ومفتی اور پیشوا وامام جو کام سرانجام دیا وہ سب من جانب اللہ تھا اور اس کو الٰہی تائید حاصل تھی آپ کے تیئس سالہ دور میں نبوت کا یہی کام، سنت وحدیث کی صورت میں، صحابہ کرامؓ اجمعین کی وساطت سے ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے اس سارے عمل کے عینی شاہد تھے اور آپ کی صحبت اور تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں اس مقدس طبقہ نے شریعت کے مقاصد واسرار کو اس طرح سمجھا اور اس کی روح سے اپنے آپ کو اس طرح ہم آہنگ کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس اطمینان کے ساتھ کہ آپ کی تبلیغ و دعوت اور تعلیم و تربیت کا ثمرہ آپ کے پیچھے ایک ایسی جماعت کی صورت میں موجود ہے جو قرآن کریم اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں حیات انسانی میں پیش آمدہ تمام مسائل کا حل، اخذ واستنباط کرنے کی صلاحیت اور ملکہ رکھتی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد جہاں صحابہ کرام نے قرآن کریم کی تفسیر وتبیین اور اس کے مطالب ومعانی کی توضیح وتشریح کا فریضہ سرانجام دیا وہاں نئے آمدہ مسائل کا حل بھی قرآن اور نبوی تشریحات یعنی حدیث وسنت سے اخذ و استنباط کر کے پیش کیا۔ اس تفسیر وتبیین اور اخذ واستنباط کے دوران ان حضرات کے پیش نظر وہ اصول وقواعد ہوتے تھے جو انہوں نے قرآن کریم پر گہرے تدبر وتفکر اور رسول اللہ ﷺ کی عملی تشریح وتبیین کے عمیق مشاہدے اور نبوی تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں اخذ کیے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ زبان کا فطری ملکہ ان کو حاصل تھا۔ جو قرآن اور نبوی تعلیمات کے فہم وتفہیم کے لیے ناگزیر تھا اگرچہ انہوں نے ان قواعد واصول کو نہ تو اصطلاحی زبان میں بیان کیا، نہ ہی مدون ومرتب فرمایا ان کو اس کی احتیاج بھی نہیں تھی اور نہ ہی ان کے مبارک عہد میں اس کی ضرورت لاحق ہوئی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن وحدیث کی نصوص سے استنباط واستخراج اور باہمی فقہی مناقشات کے دوران کن اصول وقواعد کو ملحوظ رکھتے تھے، ذیل کی امثلہ سے اس کی توضیح ہوتی ہے:

حضرت عمرؓ نے جب شراب نوشی کی سزا سے متعلق صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا شرابی جب نشے میں ہوتا ہے تو ہذیان بکنے لگتا ہے اور جب ہذیان بکنے لگے تو تہمت لگائے گا، لہٰذا جو حد تہمت کی ہے یعنی حد قذف وہی شراب نوشی کی بھی ہونی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے اسی کوڑے حد مقرر کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے اپنے استدلال کی اساس حکم بالمآل اور سد ذرائع کو بنایا چونکہ شراب نوشی میں نشہ کی حالت کا نتیجہ قذف بھی ہو سکتا ہے اس لیے اس ذریعہ کا سدباب کرتے ہوئے جو مآل یعنی انجام کا حکم ہے وہی اس پر لگایا جائے گا۔

اسی طرح قرآن کریم میں سورۃ البقرۃ میں ان عورتوں کی عدت جن کے شوہر وفات پا جائیں چار ماہ دس دن بیان ہوئی ہے اور سورۃ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جب اس عورت کی

عدت کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا شوہر وفات پا جائے اور وہ حاملہ ہو تو آپ نے فرمایا اس کی عدت وضع حمل ہے، کیونکہ سورۃ طلاق سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ گویا آپ نے اس اصولی قاعدہ کی طرف اشارہ کیا کہ بعد میں آنے والا حکم پہلے کا ناسخ یا مخصص ہو سکتا ہے۔ (۴۸)

اس لیے شیخ ابوزہرہ کا یہ فرمانا بجا ہے

> نشا علم اصول الفقه مع علم الفقه ، و اِن كان الفقه قددون قبله لأنه حيث يكون فقه يكون حتما منهاج للاستنباط، و حيث كان المنهاج يكون جتما لامحالة اصول الفقه۔(٤٩)

علم اصولِ فقہ کی ابتدا علم کی فقہ کے ساتھ ہی ہوئی اگرچہ علم فقہ کی تدوین اس سے پہلے ہو چکی تھی اس لیے کہ جہاں فقہ ہوگی وہاں لازماً استنباط کے طریقے بھی ہوں گے اور جہاں یہ طریقے ہوں گے وہاں فقہ کے اصول بھی پائے جا رہے ہوں گے۔

ڈاکٹر حسین احمد حسان اپنی تصنیف ''اصول الفقہ'' میں متعدد امثلہ سے صحابہ کرام کی منہج استنباط کی وضاحت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> "وهكذا نجد ان الفقهاء من الصحابة و التابعين قد تقيدوا في اجتهادهم بقواعد اصولية، و ان لم تكن بهم حاجة الى تدوينها في ذلك الوقت "(٥٠)

> ''اس طرح ہم پاتے ہیں کہ فقہاء صحابہ، و تابعین اپنے اجتہادات میں قواعد اصولیہ کی پابندی کرتے تھے اگرچہ اس وقت ان کی تدوین کی حاجت نہیں تھی۔''

حاصل یہ ہے کہ ان اصول وقواعد کا باقاعدہ اصطلاحی زبان میں بیان نہ ہونا اور ان کا مرتب و مدون نہ ہونا ان کی عدم موجودگی کی دلیل نہیں اس لیے یہ امر واضح ہے کہ ان اصول وقواعد کی ابتدا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہوگئی تھی اور وہی سب سے پہلے ان کو باقاعدہ استعمال کرنے والے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ ابراھیم:۱ ۲۔الجمعہ:۳

۳۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، ج۔۱۱، ص:۱۶، نشر ادب الحوزۃ قم، ایران، ۱۴۰۵ھ، الفیروزآبادی ، محمد بن یعقوب ، القاموس المحیط ، ج۔۲، ص:۱۲۷۲، طبع اول ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت، لبنان ، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء

۴۔ابو الحسین محمد بن علی بن الطیف البصری المعتزلی ،المعتمد فی اصول الفقہ ،ج۔۱، ص:۵، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، طبع اول ، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء

۵۔التفتازانی،سعد الدین بن سعود بن عمر، شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح فی اصول الفقہ،ج۔۱، ص:۱۵، دارالکتب العلمیۃ، طبع اول ، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء

۶۔الرازی، فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین ، المحصول فی علم اصول الفقہ ،ج۔۱، ص:۹،دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، طبع اول ، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء

۷۔الاحکام فی اصول الاحکام ، ج۔۱، ص:۵

۸۔الاسنوی ، جمال الدین بن عبدالرحیم بن الحسن ، نھایۃ السول فی شرح منھاج الوصول الی علم الاصول،ج۔۱، ص:۹،دار ابن حزم ،بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء

۹۔ایضاً، ج۔۱، ص:۹، فواتح الرحموت، ج۔۱، ص:۱۳

۱۰۔اللمع فی اصول الفقہ، ص:۶

۱۱۔ الانصاری، عبدالعلی بن نظام الدین،فواتح الرحموت علی مسلم الثبوت ،ص:۳، مکتبہ امام ابو حنیفۃ کانسی روڈ ، کوئٹہ ، س۔ن۔

۱۲۔شرح التلویح علی التوضیح، ج۔۱، ص:۱۷

۱۳۔لسان العرب ، ج۔۱۳، ص:۵۲۲، القاموس المحیط، ج:۲، ص:۱۶۴۲

۱۴۔ الاصفھانی،الراغب ،مفردات القرآن، ص:۶۴۲، دارالقلم دمشق، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء

۱۵۔۔الغزالی،ابو حامد محمد بن محمد ، المستصفیٰ فی علم اصول الفقہ ،ص:۵، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ، طبع اول ، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء

۱۶۔المحصول فی علم اصول الفقہ، ج۔۱، ص:۹

١٧ـنهاية السول ، جـ١ ، ص:١١

١٨ـ الوجيز ، ص:٨

١٩ـ ابن عابدين،محمد امين ،ردالمحتار على الدرالمختار، جـ١ ، ص:٣٦، المكتبه التجاريه، مصطفیٰ احمد الباز، مكة المكرمه، ١٣٨٦ھ، ١٩٦٦ء

٢٠ـالتوبه ، ١٢٢

٢١ـ بخارى ، محمد بن اسماعيل ، صـ٢١، جـ١ ، مكتبة النهضة الحديثه مكة المكرمه۔ ١٣٧٦ھ

٢٢ـمرقاة المفاتيح، ص:٤١٠

٢٣ـالدارمى ،ابو محمد عبدالله بن عبدالرحمن ، مسند دارمى ،حديث نمبر ٣٠٢، ص:٥١-٥٢، دار ابن حزم، بيروت لبنان، ١٤٢٣ھ،٢٠٠٣ء

٢٤ـالنسفى،ابو البركات ،عبدالله بن احمد بن محمود ، بحر الرائق شرح كنز الدقائق ، جـ١، ص:١٦، دارالكتب العلمية، ١٤١٨ھ، ١٩٩٧ء

٢٥ـشرح التلويح على التوضيح، جـ١، ص:١٨

٢٦ـ ابن الحاجب ، المالكى ، منتهى الوصول والأ مل فى علمى الاصول و الجدل ، ص:٦، دارالكتب العلمية ، بيروت ، لبنان، طبع اول ، ١٤٠٥ھ، ١٩٨٥ء

النسفى، عبدالله بن احمد، كشف الاسرار شرح المصنف على المنار، جـ١ ، ص:٩، دارالكتب العلمية، بيروت، ١٤٠٦ھ، ١٩٨٦ء

٢٧ـنهاية السول

٢٨ـ ابن همام، التقرير و التحبير على التحرير فى اصول الفقه،ج:١ ، ص:٣٨، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبع اول ، ١٤١٩ھ، ١٩٩٩ء۔

٢٩ـ ابو زهره، اصول الفقه، ص:٨ـ٧،دارالفكر العربى، شارع الجوار حسنى، القاهره، س ـ ن۔

٣٠ـملاجيون، نورالانوار،ص:٤، مكتبه الحسن ، اردو بازار، لاهور، س ـ ن۔

٣١ـ ابن خلدون،عبدالرحمان ، مقدمه ابن خلدون، ص:٣٥٩، مكتبه دارالباز، مكة المكرمه ، دارلكتب العلمية ، بيروت، ١٤١٣ھ، ١٩٩٣ء

٣٢ـكشف الظنون، ج:١، ص:١٩

٣٣ـالبقرة ـ ١٣٠

٣٤ـالبقرة ـ ١٥١

۳۵ـالجمعه ، ۲

۳۶ـالنحل:۴۴

۳۷ـالنساء:۱۰۵

۳۸ـالنساء:۶۵

۳۹ـالنساء:۶۴

۴۰ـالنساء:۶۵

۴۱ـالاحزاب:۳۶

۴۲ـالاحزاب:۳۶

۴۳ـالاعراف :۱۵۷

۴۴ـالحشر:۷

۴۴ـآل عمران:۳۱ـ۳۶

۴۵ـآل عمران:۳۱ـ۳۶

۴۶ـالاحزاب:۲۱

۴۷ـ المالکی، ابی العباس احمد بن ادریس ، الفروق شهاب الدین ،ص:۲۰۵ـ۲۰۶، مؤسسة الرسالة ، بیروت ، لبنان ، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء

۴۸ـ ڈاکٹر حسین احمد حسان، اصول الفقه، ص:۸ـ۹، دارالصدق، اسلام آباد، ۱۴۱۹ھ ، ۱۹۹۹ء

۴۹ـاصول فقه، ص:۱۱

۵۰ـاصول الفقه، ص:۲۰